OPEN ACCESS: “*EPISTEMOLOGY*”
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Epistemology: Vol.16 Issue 17 June 2025

پرامن اسلامی ریاست کی راہ میں متشدد رویوں کا تدارک اور تجاویز : تجزیاتی مطالعہ

Countering Violent Attitudes and Suggestions for a Peaceful Islamic State: an analytical study

Saqib Idrees
P.H.D scholar, Department of Islamic studies ,U.E.T Lahore.

Hafiz Waliullah
P.H.D scholar, Department of Islamic studies ,U.E.T Lahore.

Muhammad Aqib
Editor,Taqwa Islamic Center,Lahore

Abstract: This study examines the multidimensional framework for establishing a peaceful Islamic state based on the principles of justice, compassion, and moderation. It explores how extremism and violence arise not merely from religious misinterpretations but from political, economic, educational, and psychological imbalances within society. Drawing on Qur’anic teachings, Prophetic traditions, and contemporary scholarly analyses, the paper presents a comprehensive model of reform encompassing religious education, community engagement, socio-economic justice, media ethics, and youth empowerment. It emphasizes that true peace and stability can only be achieved through collective moral awakening, equitable governance, and intellectual revival guided by Islamic values. The research concludes that the integration of ethical, spiritual, and structural reforms is essential for countering radicalism and fostering harmony within the Muslim world.

Keywords:
Islamic State, Peacebuilding, Extremism, Justice, Educational Reforms

CC BY

اسلام ایک ایسا ہمہ گیر دین ہے جو فرد، معاشرہ اور ریاست تینوں کی بنیاد امن، عدل اور توازن پر استوار کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے بارہا ''صلح'' اور ''احسان'' کو ایمان کا تقاضا قرار دیا، جبکہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ امن و انصاف کے بغیر نہ معاشرہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ریاست۔ لیکن عصرِ حاضر میں مسلم معاشروں کو سب سے بڑا چیلنج داخلی عدمِ استحکام، فرقہ وارانہ کشمکش، اور متشدد رویوں کی شکل میں درپیش ہے۔ یہ رویے صرف مذہبی غلط فہمیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ سیاسی، معاشی، تعلیمی اور فکری عدمِ توازن سے بھی جنم لیتے ہیں۔ جب ریاست عدل و انصاف میں کمزور، معیشت میں غیر منصفانہ، اور تعلیم میں متعصب ہو جائے تو نوجوان نسل مایوسی، بے سمتی اور غصے کا شکار ہو کر شدت پسندی کی طرف مائل ہوتی ہے۔

اسلامی ریاست کا اصل تصور ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہے جہاں انسان کی جان، مال، عزت اور عقیدہ محفوظ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ کے مدینہ کے مثالی معاشرے نے دنیا کو دکھایا کہ مختلف مذاہب، قبیلوں اور ثقافتوں کے لوگ بھی ایک پر امن نظمِ اجتماعی میں رہ سکتے ہیں۔ آج کے دور میں بھی اگر اسلامی اصولوں کی روشنی میں عدل، رواداری، برداشت اور فکری آزادی کو فروغ دیا جائے تو تشدد کے اسباب خود بخود ختم ہو سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم شدت پسندی کے نظریاتی، معاشی اور تعلیمی عوامل کا سنجیدگی سے تجزیہ کریں اور ان کے تدارک کے لیے ہمہ گیر اصلاحات پر عمل کریں۔

مذہبی رہنمائی، صحیح فقہی تشریح اور حلال/حرام کی درست تفہیم

اسلامی ریاست کی بنیاد عدل، رواداری، اور امن پر ہے۔ لیکن جب مذہب کی غلط تعبیرات کی بنیاد پر تشدد کو جواز دیا جاتا ہے تو سماجی توازن بگڑ جاتا ہے۔ علماو مشائخ کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن و سنت کی اصل روح کے مطابق عوام کو تعلیم دیں۔ تشدد کی نفی کرنے والی احادیث، سیرتِ نبویؐ کے پہلو، اور فقہی اختلافات کی مثبت روایت کو عام کریں۔ مدارس کے نصاب میں فقہی تنوع اور معاصر چیلنجز کا مطالعہ شامل کیا جائے تاکہ نوجوان محدود سوچ کا شکار نہ ہوں۔ وعظ و خطبوں میں برداشت، معاشرتی انصاف اور اقلیتوں کے حقوق پر زور دیا جائے۔ علماء کو چاہیے کہ وہ شدت پسند بیانیے کی علمی سطح پر تردید کریں، تاکہ عوام کو یہ یقین حاصل ہو کہ اسلام امن، عدل اور احسان کا مذہب ہے، انتقام اور خونریزی کا نہیں۔ اس عمل میں میڈیا اور ریاستی اداروں کو علماء کے ساتھ اشتراک کرنا چاہیے تاکہ ان کی بات عوامی سطح پر مؤثر انداز میں پہنچ سکے۔[1]

کمیونٹی نیٹ ورکس، سماجی بندھن اور روایتی سوشل کنٹرول:

متشدد رویے اس وقت پنپتے ہیں جب افراد یا گروہ خود کو سماج سے کٹا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ کمیونٹی نیٹ ورکس، مسجد کی سطح پر عوامی مشاورت، اور مقامی قیادت کا کردار امن کے قیام میں بنیادی ہے۔ محلہ یا دیہات کی سطح پر مصالحتی کمیٹیاں، سماجی مکالمے کے فورمز، اور نوجوانوں کے لیے مثبت سرگرمیوں کے مراکز بنائے جائیں۔ جب کمیونٹی کے اندر

اعتماد قائم ہوتا ہے تو بیرونی انتہا پسند عناصر کو داخل ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ علماء، اساتذہ، اور سماجی کارکنان مل کر کمیونٹی میں مصالحتی کلچر کو فروغ دیں۔ اسلامی روایت میں شوریٰ، مشاورت، اور باہمی احترام کے اصول اس سلسلے میں بہترین رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ کمیونٹی اگر خود تنازعات کو پرامن انداز میں حل کرے تو ریاستی نظام پر بوجھ بھی کم ہوتا ہے اور امن کا دائرہ وسیع ہوتا ہے۔[2]

تعلیمی اصلاحات: تنقیدی تفکر، جدید فقہی مطالعہ اور نصابِ امن:

تعلیم وہ بنیاد ہے جو سوچ کو تشکیل دیتی ہے۔ اگر نصاب میں نفرت، تعصب یا محدود تعبیرات شامل ہوں تو طلبہ غیر لچکدار ذہنیت کے حامل ہو جاتے ہیں۔ مدارس اور اسکولوں دونوں میں نصاب کی اصلاح ناگزیر ہے۔ جدید فقہی مباحث، فلسفہ، اخلاقیات، انسانی حقوق، اور تقابلی مذاہب کے مضامین نصاب میں شامل کیے جائیں۔ اساتذہ کو تربیت دی جائے تاکہ وہ طلبہ میں مکالمے اور سوال اٹھانے کا کلچر پیدا کریں۔ اس عمل سے طلبہ میں تنقیدی تفکر پیدا ہوگا اور وہ شدت پسندی کے نظریات کا خود تجزیہ کر سکیں گے۔ ایسے تعلیمی ماحول میں امن، رواداری اور اجتماعی ذمہ داری کے تصورات پروان چڑھتے ہیں۔[3]

سیاسی شمولیت، شکایات کا جائزہ اور ریاستی جواب

سیاسی نظام کی شمولیت اور انصاف پسندی متشدد رویوں کے سدباب کے لیے ناگزیر ہے۔ جب شہریوں کو اپنے حقوق اور شکایات کے اظہار کا قانونی راستہ نہیں ملتا تو وہ غیر قانونی ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ ریاستی اداروں کو چاہیے کہ شفافیت، انصاف، اور نمائندگی کو یقینی بنائیں۔ مقامی حکومتوں کو بااختیار بنانا، نوجوانوں کو فیصلہ سازی کے عمل میں شامل کرنا، اور قانون کا غیر جانبدارانہ نفاذ عوامی اعتماد کو بحال کرتا ہے۔ سیاسی شمولیت امن کی ضمانت ہے کیونکہ یہ افراد کو ریاستی نظام کا حصہ بناتی ہے، دشمن نہیں۔[4]

نفسیاتی مداخلت، ڈی ریڈیکلائزیشن اور سماجی بحالی

شدت پسندی ہمیشہ نظریاتی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات نفسیاتی یا سماجی دباؤ کا نتیجہ بھی ہوتی ہے۔ نوجوان جو تنہائی، محرومی یا ناکامی کا شکار ہوتے ہیں، وہ انتہا پسند تنظیموں کے لیے آسان شکار بنتے ہیں۔ اس لیے نفسیاتی مداخلت اور ری ہیبیلیٹیشن پروگرام ناگزیر ہیں۔ ایسے پروگراموں میں مذہبی رہنماؤں، ماہرینِ نفسیات، اور سماجی کارکنان کی مشترکہ ٹیمیں ہونی چاہییں۔ یہ ٹیمیں فرد کو تشدد کے راستے سے واپس لانے میں مدد دیتی ہیں۔ مثبت سرگرمیوں، روزگار کے مواقع، اور خاندانی سپورٹ کے ذریعے ایسے افراد کو معاشرے میں دوبارہ شامل کیا جا سکتا ہے۔[5]

معیشت، روزگار اور سماجی انضمام:

بے روزگاری اور معاشی ناانصافی نوجوانوں میں مایوسی پیدا کرتی ہے جو بعض اوقات انتہا پسندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اگر ریاست تعلیم کے بعد روزگار کے مواقع فراہم کرے، تو نوجوان مثبت سمت میں توانائی صرف کریں گے۔ چھوٹے کاروبار، ہنر مندی، اور مائیکرو فنانس اسکیموں کے ذریعے انہیں خود مختار بنایا جا سکتا ہے۔ خواتین کی معاشی شمولیت بھی خاندان کے استحکام میں اضافہ کرتی ہے۔ جب افراد کو اپنے مستقبل پر یقین ہو تو وہ تشدد نہیں بلکہ ترقی کی راہیں اختیار کرتے ہیں۔[6]

قانون، عدل اور انسانی حقوق کا توازن

ریاستی قانون کا مقصد انصاف اور تحفظ ہے، نہ کہ خوف۔ جب قانون کا اطلاق امتیازی یا ظالمانہ انداز میں ہو تو ردِ عمل میں تشدد جنم لیتا ہے۔ پولیس، عدالت، اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو انسانی حقوق کی تعلیم دی جائے۔ شفاف تحقیقات، منصفانہ عدالتی نظام، اور احتساب کا کلچر شدت پسندی کے بیانیے کو کمزور کرتا ہے۔ شہریوں کو قانونی تحفظ حاصل ہو تو وہ قانون ہاتھ میں نہیں لیتے۔ اسلامی تعلیمات بھی عدل، توازن اور مساوات پر زور دیتی ہیں—یہی امن کی بنیاد ہے۔[7]

آن لائن ریڈیکلائزیشن، میڈیا لٹریسی اور ڈیجیٹل اصلاح:

عصرِ حاضر میں انتہا پسندی کا سب سے بڑا میدان انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا ہے۔ نوجوان طبقہ آن لائن پروپیگنڈا کا سب سے زیادہ شکار ہوتا ہے۔ میڈیا لٹریسی پروگرام متعارف کروانا ناگزیر ہے تاکہ نوجوان جھوٹی خبروں، مذہبی تحریفات اور نفرت انگیز مواد کی پہچان کر سکیں۔ ریاست کو چاہیے کہ سوشل میڈیا کمپنیوں کے ساتھ مل کر ریگولیشنز وضع کرے، مگر اظہارِ رائے کی آزادی کا احترام برقرار رکھے۔ مثبت ڈیجیٹل مواد جیسے اسلامی تاریخ، امن کے واقعات، اور اعتدال پسند بیانیے فروغ پائیں۔ اگر نوجوانوں کو مثبت متبادل ملے تو وہ انتہا پسندانہ نیٹ ورکس سے دور رہیں گے۔[8]

میڈیا کا کردار: مثبت بیانیہ سازی اور فکری اصلاح:

میڈیا ریاستی استحکام اور فکری توازن کا طاقتور ذریعہ ہے۔ اگر میڈیا ادارے امن، برداشت، اور باہمی احترام کا بیانیہ عام کریں تو سماج میں شدت پسندی کی جڑیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ ٹی وی، ریڈیو، اخبارات، اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر ایسے پروگرام ہونے چاہئیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق معاشرتی انصاف، حقوق العباد، اور اخلاقی کردار کو اجاگر کریں۔ مذہبی مباحثوں کو سنسنی خیز یا تصادم پر مبنی بنانے کے بجائے مکالمے کے انداز میں پیش کیا جائے۔ میڈیا کو فیک نیوز، اشتعال انگیز مواد، اور نفرت انگیز بیانات کے خلاف مؤثر ضابطۂ اخلاق پر عمل کرنا چاہیے۔ مثبت بیانیہ نہ صرف عوامی سوچ کو بدلتا ہے بلکہ ریاستی پالیسیوں کے لیے عوامی اعتماد پیدا کرتا ہے۔ ایسے صحافی اور اسکالرز جو بین المذاہب ہم آہنگی پر کام کرتے ہیں،

ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ معاشرہ فکری توازن حاصل کرے۔[9]

بین المذاہب ہم آہنگی اور مکالمہ:

اسلامی ریاست میں مختلف مذاہب اور مسالک کا پرامن بقائے باہمی ضروری ہے۔ قرآن میں "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ" (الکافرون: 6) کے اصول کے تحت ہر فرد کو اپنے مذہب پر عمل کا حق حاصل ہے۔ اس لیے ریاست کو چاہیے کہ بین المذاہب مکالمے کے ادارے قائم کرے جہاں علما، دانشور، اور سماجی رہنما مل بیٹھ کر اختلافی معاملات کو علمی انداز میں حل کریں۔ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ صرف قانونی نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔ بین المذاہب کمیٹیوں کو تعلیمی اداروں، میڈیا، اور سول سوسائٹی سے جوڑا جائے تاکہ نفرت انگیز مواد اور فرقہ وارانہ رویوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔ ایسے مکالمے سماجی ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں اور پرامن ریاستی نظم کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔[10]

نوجوانوں کی کردار سازی اور اخلاقی تربیت:

نوجوان کسی بھی ریاست کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں، لیکن اگر ان کی تربیت متوازن نہ ہو تو یہی توانائی تخریب میں بدل سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کی پالیسی میں نوجوانوں کے کردار سازی کے پروگرام اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ اسکولوں، یونیورسٹیوں، اور کمیونٹی مراکز میں اخلاقی تربیت، قیادت کی صلاحیت، اور شہری ذمہ داری کے نصاب شامل کیے جائیں۔ کھیلوں، رضاکارانہ سرگرمیوں، اور خدمتِ خلق کے منصوبے نوجوانوں کو مثبت سمت دیتے ہیں۔ اسلام میں اخلاق، صبر، عدل، اور عفو و درگزر کی تعلیم نوجوانوں کے کردار کو مضبوط کرتی ہے۔ اگر ریاست نوجوانوں کو اپنی صلاحیت کے اظہار کے مواقع دے گی، تو وہ تشدد کے بجائے ترقی و خدمت کے راستے پر چلیں گے۔[11]

خواتین کا کردار: امن کی معمار اور نسلوں کی تربیت:

اسلامی معاشرہ خواتین کو معاشرتی اور اخلاقی بنیادوں کا ضامن قرار دیتا ہے۔ ایک پرامن اسلامی ریاست کے قیام میں خواتین کا کردار نہایت اہم ہے کیونکہ وہ نسلوں کی اولین معلمہ ہیں۔ جب خواتین کو تعلیم، روزگار، اور معاشرتی فیصلوں میں حصہ ملتا ہے تو وہ امن کے بیانیے کو گھر سے معاشرے تک منتقل کرتی ہیں۔ تعلیم یافتہ ماں اپنے بچوں کو تشدد، نفرت، اور انتقام کے بجائے برداشت اور صلح کا سبق دیتی ہے۔ خواتین کی قیادت میں کمیونٹی ورکشاپس، امن مکالمے، اور فلاحی پروگرام ریاستی ہم آہنگی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں خدیجہؓ، عائشہؓ، فاطمہؓ اور دیگر شخصیات اس کردار کی روشن مثالیں ہیں۔ ریاست کو چاہیے کہ خواتین کے لیے مساوی مواقع اور تحفظ فراہم کرے تاکہ وہ امن سازی میں فعال کردار ادا کر سکیں۔[12]

عدلِ اجتماعی اور معاشی انصاف کا قیام

اسلامی ریاست میں امن کا قیام صرف عسکری یا انتظامی معاملات سے ممکن نہیں، بلکہ معاشرتی انصاف اور عدل کے نفاذ سے ہی پائیدار امن آتا ہے۔ جب دولت، اختیارات، اور مواقع چند ہاتھوں میں محدود ہو جائیں تو معاشرہ طبقاتی تقسیم کا شکار ہو جاتا ہے، اور یہ تقسیم شدت پسندی کو جنم دیتی ہے۔ قرآن کریم نے دولت کے ارتکاز کی مذمت کی ہے (سورۃ الحشر: 7) اور زکوٰۃ، صدقات، اور بیت المال کے نظام کے ذریعے معاشی توازن قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ریاست کو چاہیے کہ معاشی پالیسیاں بناتے وقت کمزور طبقات کے تحفظ، مزدور کے حقوق، اور بنیادی سہولیات کی مساوی فراہمی کو یقینی بنائے۔ جب عوام یہ دیکھیں گے کہ ریاست عدل و مساوات پر قائم ہے تو ان کے دلوں سے نفرت، مایوسی اور بغاوت کے جذبات ختم ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ سودی نظام کا خاتمہ، منصفانہ تجارت، اور احتساب کا مضبوط نظام اسلامی معاشی عدل کے ستون ہیں۔[13]

قومی بیانیے کی تشکیل اور فکری اتحاد:

پر امن اسلامی ریاست کے لیے سب سے اہم ضرورت ایک متفقہ قومی بیانیہ (National Narrative) کی تشکیل ہے جو مذہبی، سیاسی اور سماجی سطح پر سب کو جوڑنے والا ہو۔ جب مختلف طبقات، مسالک، اور قومیتیں اپنے اپنے متضاد بیانیوں کے ساتھ آگے بڑھتی ہیں تو قومی اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک متوازن بیانیہ تشکیل دیا جائے — جو اسلام کی روحِ عدل، رواداری، اور خیرِ امت پر مبنی ہو — تو یہ ریاستی استحکام کا ضامن بن جاتا ہے۔ قومی بیانیے کی تشکیل میں مذہبی علما، ماہرینِ تعلیم، میڈیا، سول سوسائٹی، اور نوجوانوں کی نمائندگی ضروری ہے۔ نصاب، میڈیا مواد، اور حکومتی پالیسیوں میں ایک واضح اور متحد پیغام ہونا چاہیے کہ تشدد، نفرت، اور فرقہ واریت ناقابلِ قبول ہیں۔ ریاست اگر فکری سطح پر وحدت پیدا کرے تو متشدد گروہوں کو عوامی حمایت نہیں ملتی، اور قومی سوچ مثبت سمت اختیار کرتی ہے۔[14]

اسلامی عدلیہ اور انصاف کی تیز تر فراہمی:

امن اور ریاستی استحکام کا دارومدار عدل پر ہے۔ جب عدالتی نظام سست، ناقص یا طبقاتی ہو جائے تو عوام کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے، اور یہی مایوسی بعض اوقات بغاوت اور تشدد میں بدل جاتی ہے۔ اسلامی ریاست کا عدالتی نظام شریعت کے اصولِ عدل و احسان پر مبنی ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے عہد میں فیصلے فوری، شفاف، اور بلا امتیاز ہوتے تھے۔ موجودہ دور میں بھی عدلیہ کو جدید تقاضوں کے مطابق بہتر بنانا ضروری ہے۔ مثلاً کیسز کی فوری سماعت، جھوٹے مقدمات کی روک تھام، اور غریب طبقے کو مفت قانونی معاونت۔ ریاستی اداروں کے درمیان ہم آہنگی ہو تاکہ انصاف کا نظام عوام کے لیے سہل ہو،

طاقتور کے لیے نہیں۔ جب عدلیہ آزاد، جوابدہ، اور شفاف ہو تو عوام قانون پر یقین رکھتے ہیں اور ذاتی انتقام کے بجائے قانونی راستہ اپناتے ہیں۔ یہی عدل و انصاف متشدد رویوں کے خاتمے کی سب سے مضبوط ضمانت ہے۔[15]

خارجہ پالیسی میں امن اور توازن کا فروغ:

کسی بھی اسلامی ریاست کی داخلی سلامتی اس کی خارجی پالیسی سے بھی جڑی ہوتی ہے۔ اگر خارجہ تعلقات تنازعات، پراکسی جنگوں، یا مسلح اتحادوں پر مبنی ہوں تو داخلی طور پر بھی شدت پسندی کے رجحانات جنم لیتے ہیں۔ اسلامی اصولوں کے مطابق، خارجہ پالیسی کا مقصد عالمی امن، انسانی احترام، اور انصاف پر مبنی تعلقات قائم کرنا ہے۔ اسلام "صلح" کو بنیادی قدر قرار دیتا ہے۔ سورۃ الانفال (آیت 61) میں ارشاد ہے کہ "اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ"۔ اس لیے اسلامی ریاست کو اپنی پالیسیوں میں غیر جارحانہ رویہ، سفارتی مکالمہ، اور علاقائی تعاون پر زور دینا چاہیے۔ بین الاقوامی سطح پر انصاف، انسانی حقوق، اور امتِ مسلمہ کے حقیقی مفاد کے تحفظ کے لیے متوازن کردار ادا کرنا ضروری ہے۔ جب ریاست عالمی تنازعات سے دور اور داخلی تعمیرِ نو پر مرکوز ہوتی ہے تو معاشرتی امن خود بخود مستحکم ہو جاتا ہے۔[16]

اخلاقی و روحانی تربیت اور تزکیۂ نفس کا نظام

اسلامی ریاست کی بنیاد قانون کے ساتھ ساتھ اخلاقی و روحانی تربیت پر بھی ہوتی ہے۔ اگر معاشرے سے روحانیت، خلوص اور اخلاق رخصت ہو جائیں تو قانون بھی بے اثر ہو جاتا ہے۔ تشدد، نفرت اور انتقام کے جذبات اس وقت جنم لیتے ہیں جب انسان اپنے نفس پر قابو کھو دیتا ہے۔ قرآن نے تزکیۂ نفس کو کامیابی کی شرط قرار دیا ہے (سورۃ الشمس: 9–10)۔ ریاست کو ایسے ادارے اور تربیتی پروگرام تشکیل دینے چاہییں جو نوجوانوں میں اخلاقی بیداری، برداشت، اور محبتِ انسانیت کو فروغ دیں۔ خانقاہی نظام، دینی مدارس، اور یونیورسٹیوں میں اخلاقی تربیت کو لازمی جزو بنایا جائے۔ مساجد کے خطبات اور مذہبی اجتماعات میں روحانیت اور کردار سازی کے پہلو اجاگر کیے جائیں۔ روحانی تربیت سے انسان خود احتسابی، صبر، اور عفو جیسے اوصاف سیکھتا ہے، جو معاشرتی امن کی بنیاد ہیں۔ جب افراد کے دلوں میں خوفِ خدا اور محبتِ انسانیت پیدا ہو جائے، تو کسی بیرونی قانون کی ضرورت کم رہ جاتی ہے۔ یہی اندرونی اصلاح، تشدد کے خاتمے کا سب سے پائیدار راستہ ہے۔[17]

میڈیا لٹریسی اور فکری دفاع (Counter-Narrative Education)

عصرِ حاضر میں شدت پسندی کا سب سے بڑا میدان آن لائن دنیا ہے۔ نوجوان نسل سوشل میڈیا کے ذریعے پروپیگنڈا، نفرت انگیز مواد، اور غلط مذہبی تعبیرات سے متاثر ہوتی ہے۔ لہٰذا ریاستی پالیسی میں ''فکری دفاعی تعلیم''

(Counter-Narrative Education) کو مرکزی حیثیت دینا ضروری ہے۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ''میڈیا لٹریسی'' کے کورسز شامل کیے جائیں تاکہ طلبہ سچ اور جھوٹ میں فرق کر سکیں۔ طلبہ کو سکھایا جائے کہ کسی خبر یا مذہبی پیغام کو بغیر تحقیق کے آگے بڑھانا گناہ اور جرم دونوں ہے۔ ریاست اور سول سوسائٹی مل کر ایسے ڈیجیٹل پلیٹ فارمز بنائیں جو اسلام کے پرامن پیغام کو نوجوانوں تک جدید زبان میں پہنچائیں۔ آن لائن علما، ماہرینِ تعلیم، اور فکری رہنما نوجوانوں سے براہِ راست مکالمہ کریں۔ جب نوجوان سچائی کی جانچ اور غلط بیانیوں کی پہچان سیکھ لیتے ہیں، تو شدت پسندی کے بیانیے خود بخود غیر مؤثر ہو جاتے ہیں۔[18]

تعلیم میں ہم آہنگی اور نصابِ امن کی تشکیل:

تعلیم ایک ایسی قوت ہے جو نسلوں کی سوچ بدل سکتی ہے۔ جب نصاب میں فرقہ وارانہ یا متعصبانہ رجحانات شامل ہوں تو ذہنوں میں نفرت اور تقسیم پیدا ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے لازم ہے کہ تعلیمی نظام کو وحدت، رواداری، اور انسان دوستی کے اصولوں پر استوار کرے۔ قرآن کریم نے علم کو انسان کی فضیلت کا ذریعہ قرار دیا ہے (سورۃ العلق: 1–5)۔ اس لیے تعلیم کا مقصد محض روزگار نہیں بلکہ اخلاقی اور فکری تربیت بھی ہونا چاہیے۔ نصاب میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی سیرت، خلفائے راشدین کی حکمتِ عدل، اور مختلف مسالک کے مثبت پہلو شامل کیے جائیں تاکہ طلبہ میں برداشت اور مکالمے کی روایت پروان چڑھے۔ مذہبی اور عصری اداروں کے درمیان خلیج کم کی جائے، تاکہ عالم اور پروفیشنل دونوں ایک مشترکہ فکری بنیاد پر کھڑے ہوں۔ جب تعلیم نفرت کے بجائے فہم، تحقیق اور انسانیت کی بنیاد پر استوار ہو، تو معاشرہ خود بخود امن کی سمت بڑھتا ہے۔[19]

نوجوانوں کی مثبت شمولیت اور قومی خدمت کے مواقع

نوجوان کسی بھی ریاست کی سب سے بڑی طاقت ہوتے ہیں، لیکن اگر انہیں مثبت سمت نہ دی جائے تو یہی طاقت شدت پسندی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ پرامن اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہے کہ نوجوانوں کو قومی تعمیر، رضاکارانہ خدمت، اور قیادت کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اسلامی تاریخ میں نوجوان ہمیشہ تبدیلی اور اصلاح کے نمائندہ رہے ہیں۔ حضرت علیؓ، مصعب بن عمیرؓ، اور اسامہ بن زیدؓ نوجوانی میں ہی قیادت کے منصب پر فائز تھے۔ آج کے دور میں ریاست کو چاہیے کہ نوجوانوں کے لیے ''نیشنل یوتھ کونسلز''، ''سوشل ایکشن پروگرامز''، اور ''نوجوان قیادت اکیڈمیز'' قائم کرے، جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کو امن، خدمت، اور ترقی کے لیے استعمال کریں۔ میڈیا، کھیل، اور سوشل سرگرمیوں کے ذریعے انہیں مثبت مصروفیات دی جائیں۔ جب نوجوان اپنے کردار کو بامقصد سمجھتے ہیں تو انہیں شدت پسندی کی طرف مائل کرنا ممکن نہیں رہتا۔ نوجوانوں کو احساسِ ملکیت دینا ہی پائیدار امن کا راز ہے۔[20]

سیاسی شمولیت، شکایات کا جائزہ اور ریاستی جواب: جڑ سے مسئلہ کا تدارک

Robert Pape کی تحقیق اس بات پر زور دیتی ہے کہ اکثر خودکش یا سیاسی تشدد عوامی و سیاسی محرومیوں اور غیر منصفانہ سفارتی یا مقامی پالیسیوں کے ردعمل میں جنم لیتا ہے؛ اس لیے ریاستی پالیسیوں میں شمولیت اور انصاف بنیادی ضرورت ہے۔ حکومتیں جب شہریوں کے جائز مطالبات کا جواب دیتی ہیں تو خوار شدہ طبقات شدت پسندی کی طرف کم مائل ہوتے ہیں۔ ضابطہ کار میں شفافیت، مقامی نمائندگی، روزگار پر خاص توجہ، اور انصاف تک آسان رسائی نوجوانوں کے دلوں میں ریاست کے خلاف جذبات کم کرتی ہے۔ قانون کا غیر سیاسی، عدالتی اور مؤثر نفاذ، غلط انتقامی کاروائیوں کو روکتا ہے جو اکثر تشدد کو روا رکھتے ہیں۔ بین المذاہب اور بین النسلی نقطۂ نظر کے تحت پالیسی بنائیں تاکہ اقلیتیں خود کو محفوظ اور شامل محسوس کریں۔ امن عمل میں عورتوں، نوجوانوں اور اقلیتی لیڈرز کو شامل کریں۔ یہ شمولیت دیرپا امن کے لیے لازمی ہے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی پالیسیوں، جیسا کہ فوجی مداخلت یا پابندیوں کے منفی اثرات پر غور کریں، کیوں کہ بیرونی عوامل مقامی انتہا پسندی کو ایندھن دے سکتے ہیں۔ تشدد روکنے کے لیے ریاست کو سماجی بہبودی پروگراموں اور قانونی اصلاحات کو ترجیح دینی چاہیے۔[21]

نفسیاتی مداخلت، ڈی۔ ریڈیکلائزیشن اور ری ہیبلیٹیشن پروگرامز

تشدد پسندانہ رویّوں کے خاتمے میں نفسیاتی مدد اور رہنمائی کا بڑا کردار ہے؛ John Horgan کی تحقیق بتاتی ہے کہ متعدد جنگجو وقتی جذبات، شناختی خلاء یا ذاتی بحران کی وجہ سے شدت پسندی اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے انفرادی سطح پر مداخلت ضروری ہے۔ ڈی-ریڈیکلائزیشن پروگرامات (درمیانی باریکیاں، تنقیدی مباحث، روزگار کی تربیت، اور نفسیاتی مشاورت) شخص کو تشدد کے راستے سے واپسی کے قابل بناتے ہیں۔ سابق جنگجوؤں کے تجربات کو استعمال کر کے ہم متبادل کہانیاں اور عملی راستے فراہم کر سکتے ہیں۔ صرف سزا پر مبنی پالیسیاں اکثر مزید علیحدگی پیدا کرتی ہیں؛ اسی لیے ترکیب سزا+ری ہابیلیٹیشن ہونی چاہیے۔ صوتی اور نفسیاتی پروگرامز میں خاندان کی شرکت بہت اہم ہے کیونکہ عموماً اثر پذیر روابط گھریلو و سماجی ہوتے ہیں۔ تربیت یافتہ کونٹرنگ کاؤنسلرز اور سماجی کارکنان کو اس میدان میں مستقل حیثیت دینی چاہیے۔ اسی طرح کمیونٹی میں روزگار/مہارت کے مواقع فراہم کر کے فرد کی شناختی اور معاشی ضروریات پوری کرنی ہوں گی۔ مؤثر ڈی-ریڈیکلائزیشن پروگرام معیاری مانیٹرنگ، مرحلہ وار انضمام اور سوچ بدلنے کی تکنیکیں استعمال کرتے ہیں۔[22]

معیشت، روزگار کے مواقع اور سماجی انضمام

Mia Bloom اور دیگر محققین نے متعدد تحقیقات میں بتایا ہے کہ معاشی محرومی اور بے روزگاری نوجوانوں کو متشدد گروہوں کے جال کی طرف دھکیل سکتی ہے؛ البتہ صرف غربت کو تنہا وجہ قرار دینا درست نہیں، مگر

روزگار کے مناسب مواقع واضح فرق ڈال سکتے ہیں۔ نوجوانوں کو ٹیکنیکل ٹریننگ، چھوٹے کاروبار کے لیے مائیکرو فنانس اور استعدادی پروگرام دے کر وہ خود کفیل بنیں تو عسکریت پسند گروہوں کی کشش کم ہو جاتی ہے۔ عورتوں کے لیے خاص معاشی انضمامی پروگرام بھی خاندانوں میں استحکام لاتے ہیں اور مجموعی طور پر پر تشدد رویوں کے امکانات گھٹا دیتے ہیں۔ روزگار کے ساتھ ساتھ شہری خدمات، رہائشی سہولیات اور صحت عامہ میں بہتری کمیونٹی کے اعتماد کو فروغ دیتی ہے۔ معاشی پروگراموں کی ڈیزائننگ میں نوجوانوں کو مشاورت میں شامل کریں تاکہ یہ پروگرام مقامی ضروریات کے مطابق ہوں۔ ملازمت یافتہ نوجوان اپنے گھر والوں میں حیثیت اور امن کا ضامن بنتے ہیں، جو طویل مدت میں ریاستی استحکام کو بڑھاتا ہے۔ اشتہاری مہمات اور کامیاب مثالوں کے ذریعے مثبت معاشی کامیابیوں کو فروغ دیں تاکہ مزید نوجوان ایسے راستوں کو اپنائیں۔[23]

قانون وانصاف، سیکورٹی اصلاحات اور انسانی حقوق کا توازن

سیکورٹی سیکٹر میں اصلاحات اور قانون کے درست نفاذ کے بغیر تشدد روکنے کی پالیسی آدھی رہ جاتی ہے؛ Akbar S. Ahmed اس بات پر زور دیتے ہیں کہ فوجی یا کٹھور اقدامات جب مقامی روایات اور احساسات کو نظر انداز کریں تو بدلے میں ردعمل پیدا کر سکتے ہیں۔ پولیس اور عدلیہ میں شفافیت، احتساب اور انسانی حقوق کے احترام کو یقینی بنائیں تاکہ ریاستی کاروائیاں کمیونٹی کے نقطۂ نظر سے قابل قبول ہوں۔ سیکورٹی فورسز کی تربیت میں ثقافتی حساسیت، انسانی حقوق اور پریونٹو کمیونٹی انگیجمنٹ شامل ہو۔ غیر قانونی گرفتاریوں، بدسلوکی یا بیگناہوں کے خلاف خاموشی انتہاپسندانہ بیانیے کو مضبوط کرتی ہے۔ اسی طرح، مناسب قانون سازی جو دہشت گردی کو واضح انداز میں جرم قرار دے مگر قانونی تقنین و شواہد کی قدر کرے، انصاف کا تقاضا پورا کرے گی۔ حالات کے مطابق عبوری انصاف یا مصالحتی عدالتیں مقامی تنازعات حل کرنے میں مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ شفاف پالیسی سازی اور پارلیمانی نگرانی سے عوام کا اعتماد بڑھے گا اور ریاستی ردِعمل کے خلاف انتقامی تشدد کے رجحان میں کمی آئے گی۔[24]

آن لائن ریڈیکلائزیشن، میڈیا لٹریسی اور مثبت ڈیجیٹل حکمتِ عملیاں:

جدید دور میں آن لائن پلیٹ فارمز شدت پسندی پھیلانے کے لیے تیز ترین ذریعہ بن چکے ہیں؛ Marc Sageman کے بعد کے کاموں نے نشان دہی کی کہ لیڈرلیس یا ہنڈی نیٹ ورک آن لائن میں تیزی سے پروان چڑھتے ہیں۔ نوجوانوں کو ڈیجیٹل میڈیا لٹریسی سکھائیں تاکہ وہ پروپیگنڈا، بگڑھی ہوئی تشریحات اور جھوٹی بیانیوں کی نشاندہی کر سکیں۔ ریاست اور سول سوسائٹی کو مل کر مثبت آن لائن مواد تیار کرنا چاہیے۔ مختصر ویڈیوز، ذاتی کہانیاں، اور متبادل مذہبی واخلاقی تشریحات جو شدت پسند عقائد کو چیلنج کریں۔ سوشل میڈیا کمپنیوں کے ساتھ شراکت میں خطرناک مواد کی

شفاف نگرانی اور قانونی فریم ورک وضع کریں، مگر اس نگرانی میں آزادیٔ اظہار کا مناسب توازن برقرار رکھیں۔ آن لائن کمیونٹیز میں متاثر کن مثبت رہنما (credible voices) کو سپورٹ کریں جو باہمی بات چیت اور سوال جواب کے ذریعے شکوک دور کریں۔ سکولز اور یونیورسٹیوں میں ڈیجیٹل سیفٹی کورسز لازماً شامل کریں تاکہ نوجوان آن لائن جال سے باہر رہ سکیں۔ اس حکمتِ عملی کا مقصد کٹاؤ پیدا کرنے والے مواد کو ختم کرنا نہیں بلکہ متبادل اور تنقیدی سوچ کے ذریعے نوجوانوں کو محفوظ راستہ دینا ہے۔[25]

خلاصۃ البحث:

اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد امن، عدل اور انسانی فلاح پر مبنی نظامِ حیات کا قیام ہے۔ لیکن جب معاشرے میں ناانصافی، معاشی استحصال، اور فکری انتشار بڑھ جاتا ہے تو تشدد اور انتہا پسندی جنم لیتی ہے۔ اس کا تدارک صرف طاقت یا قانون سے ممکن نہیں بلکہ فکری، اخلاقی اور سماجی اصلاح کے ذریعے ہی پائیدار امن قائم ہو سکتا ہے۔ سب سے پہلے ریاست کو عدلِ اجتماعی کو یقینی بنانا ہوگا، تاکہ دولت اور اختیارات کا ارتکاز ختم ہو اور کمزور طبقات کو انصاف اور مساوی مواقع حاصل ہوں۔ سیاسی شفافیت، کرپشن کا خاتمہ، اور قانون کی بالادستی ایسے عناصر ہیں جو عوامی اعتماد بحال کرتے ہیں اور بغاوت یا تشدد کے اسباب کو ختم کرتے ہیں۔ اسی طرح علماء، تعلیمی اداروں، اور میڈیا کو مل کر ایک قومی بیانیہ تشکیل دینا چاہیے جو نفرت، فرقہ واریت، اور انتقام کے بجائے محبت، رواداری، اور مکالمے کو فروغ دے۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری نصاب میں امن، برداشت، اور اخلاقی تربیت کو شامل کرنا ضروری ہے تاکہ نئی نسل نظریاتی توازن اور فکری بصیرت کے ساتھ پروان چڑھے۔ ریاست کو ایسے تربیتی اور فکری ادارے قائم کرنے چاہییں جو نوجوانوں کو انتہا پسندی کے بیانیے سے محفوظ رکھیں۔ عدلیہ کو تیز تر اور منصفانہ نظام فراہم کرنا ہوگا تاکہ انصاف کی تاخیر سے پیدا ہونے والا غصہ اور بے اعتمادی ختم ہو۔ خارجہ پالیسی میں صلح، اعتدال اور عالمی تعاون کو فروغ دے کر بین الاقوامی سطح پر بھی امن کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔

مزید برآں، تزکیۂ نفس اور روحانی تربیت معاشرتی امن کی جڑ ہے۔ جب انسان کے اندر خوفِ خدا، برداشت، اور عفو کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ تشدد کی طرف نہیں جاتا۔ ریاستی سطح پر میڈیا لٹریسی اور فکری دفاعی تعلیم کو عام کیا جانا چاہیے تاکہ نوجوان سوشل میڈیا پر پھیلنے والے جھوٹے بیانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ اسی طرح نوجوانوں کی مثبت شمولیت قومی ترقی، رضاکارانہ خدمت اور قیادت کے میدان میں ان کی توانائی کو مثبت رخ دے سکتی ہے۔ ان اقدامات کے ساتھ تعلیم میں ہم آہنگی اور فرقہ وارانہ تفریق کے خاتمے کے ذریعے ایک ایسا تعلیمی ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے جو امن کی بنیاد بنے۔

1- آخرکار، پرامن اسلامی ریاست کی تعمیر کے لیے ہمیں بیک وقت اخلاقی، تعلیمی، عدالتی، اقتصادی، فکری اور روحانی اصلاحات پر عمل کرنا ہوگا۔ اسلام کا پیغام توازن، عدل اور رحمت کا ہے؛ جب ریاست اور عوام مل کر اس پیغام کو عملی زندگی میں نافذ کرتے ہیں تو شدت پسندی، نفرت اور انتشار کی جڑیں خود بخود کٹ جاتی ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جوامتِ مسلمہ کو ایک پرامن، مستحکم اور انصاف پر مبنی اسلامی ریاست کی جانب لے جاتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات و حواشی (References)

[1]- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1978)، 115–120۔
Maulana Sayyid Abu al-A‘la Maududi, Islami Riyasat (Lahore: Idarah Tarjuman al-Qur’an, 1978), 115–120.

[2]- ڈاکٹر خادم حسین، انتہاپسندی کا بیانیہ اور پاکستانی معاشرہ (اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، 2016)، 67–72۔
Dr. Khadim Husain, Intihapasandi ka Bayaniyah aur Pakistani Mu‘asharah (Islamabad: Institute of Policy Studies, 2016), 67–72.

[3]- Olivier Roy, The Failure of Political Islam (Cambridge, MA: Harvard University Press, 1994

[4]- Robert A. Pape, Dying to Win: The Strategic Logic of Suicide Terrorism (New York: Random House, 2005).

[5]-John G. Horgan, The Psychology of Terrorism, 2nd ed. London: Routledge, 2014

[6]-Mia Bloom, Dying to Kill: The Allure of Suicide Terror .New York: Columbia University Press, 2012

[7]- ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ قانونِ اسلام (اسلام آباد: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، 2005)، 210–215۔
Dr. Mahmud Ahmad Ghazi, Muhadirat-e-Qanun-e-Islam (Islamabad: Idarah Tahqiqat-e-Islami, 2005), 210–215.

[8]-Marc Sageman, Leaderless Jihad: Terror Networks in the Twenty-First Century (Philadelphia: University of Pennsylvania Press, 2008).

[9]- ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، میڈیا، انتہاپسندی اور بیانیہ سازی (لاہور: منہاج یونیورسٹی پریس، 2019)، 92–100۔
Dr. Husain Muhyi al-Din Qadri, Media, Intihapasandi aur Bayaniyah Sazi (Lahore: Minhaj University Press, 2019), 92–100.

[10]- ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اسلام اور دہشت گردی (لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، 2010)، 130–137۔
Dr. Muhammad Tahir al-Qadri, Islam aur Dehshat Gardi (Lahore: Minhaj al-Qur’an Publications, 2010), 130–137.

[11]- ڈاکٹر اسرار احمد، اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات (لاہور: مرکز تنظیم اسلامی، 1985)، 155–163۔
Dr. Israr Ahmad, Islami Nizam-e-Zindagi aur Us ke Bunyadi Tasawwurat (Lahore: Markaz Tanzeem-e-Islami, 1985), 155–163.

[12]-Amina Wadud, Qur'an and Woman: Rereading the Sacred Text from a Woman's Perspective, 2nd ed. (New York: Oxford University Press, 1999).

[13]- مولانا مفتی تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2004)، 88–95۔

Maulana Mufti Taqi Usmani, Islam aur Jadid Ma‘eeshat wa Tijarat (Karachi: Maktabah Ma‘arif al-Qur’an, 2004), 88–95.

[14]-Rohan Gunaratna and Khuram Iqbal, Pakistan: Terrorism Ground Zero (London: Reaktion Books, 2011).

[15]- جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال، اسلامی قانون اور جدید دنیا (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1999)، 121–129۔

Justice (R) Dr. Javed Iqbal, Islami Qanun aur Jadid Dunya (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1999), 121–129.

[16]-Mohammad Hashim Kamali, The Middle Path of Moderation in Islam: The Qur'anic Principle of Wasatiyyah (Oxford: Oxford University Press, 2015).

17-مولانا اشرف علی تھانوی، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ اخلاق (لاہور: مکتبہ دار الاشاعت، 1980)، 54–61۔

Maulana Ashraf ‘Ali Thanvi, Tazkiyah-e-Nafs aur Islah-e-Akhlaq (Lahore: Maktabah Dar al-Isha‘at, 1980), 54–61.

[18]- Peter R. Neumann, Radicalized: New Jihadists and the Threat to the West (London: I.B. Tauris, 2016).

[19]- ڈاکٹر محمود احمد غازی، اسلامی تعلیمات اور عصری تقاضے، 73–82۔

Dr. Mahmud Ahmad Ghazi, Islami Ta‘limat aur ‘Asri Taqazay , 73–82.

[20] -Tahir Abbas, Contemporary Islam and Muslim Youth: Identity and Radicalization (London: Routledge, 2019).

[21]-Robert A. Pape, Dying to Win: The Strategic Logic of Suicide Terrorism (New York: Random House, 2005)

[22] - John G. Horgan, The Psychology of Terrorism, 2nd ed. (London: Routledge, 2014)

[23]- Mia Bloom, Dying to Kill: The Allure of Suicide Terror (New York: Columbia University Press, 2012)

[24]- Akbar S. Ahmed, The Thistle and the Drone: How America's War on Terror Became a Global War on Tribal Islam (Washington, DC: Brookings Institution Press, 2013).

[25]-Marc Sageman, Leaderless Jihad: Terror Networks in the Twenty-First Century